PDF

فضائل ومناقب

خلیفہ راشد امیر المومنین

حضرت سیدنا علی المرتضیٰؓ

ترتیب وپیشکش

سید احمد اُنیس ندوی

ملنے کا پتہ:

استاذ مدرسہ کاشف العلوم، جامع مسجد عائشہ (مرکز)، مدینہ کالونی،

فیروز آباد (یو۔پی۔) واٹس اپ نمبر:

+91-9045006777

جملہ حقوق محفوظ

طبع اول ۲۰۲۳ء

ترتیب وپیشکش: سید احمد اُنیس ندوی

صفحات : 40

ترتیب وتزئین: محمد حفظ الرحمٰن ندوی 9528097025

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رحمت دو عالم سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے جب اہل مکہ کے سامنے توحید خالص کی دعوت پیش کی ،اور بُت پرستی سے تنفر و بیزاری کا اظہار کیا تو اُس وقت جن چند افراد نے بغیر کسی تردد کے اسلام قبول کیا تھا، اُن میں سے ایک حضور اکرم ﷺ کے چچا زاد بھائی حضرت سیدنا علی المرتضیٰؓ تھے۔ بعض روایات کے مطابق حضرت سیدنا علیؓ سب سے پہلے جناب رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ البتہ بعض روایات میں یہی فضیلت ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہؓ اور خلیفہ راشد حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے لیے بھی منقول ہے، اس لیے وہ قول زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بڑے اور سمجھدار لوگوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ، خواتین میں حضرت خدیجہؓ اور کم سن نوجوانوں بلکہ بچوں میں حضرت

علیؓ سب سے پہلے ایمان لائے۔البتہ اس حیثیت سے حضرت سیدنا علیؓ کا ایمان لانا واقعی بے نظیر و بے مثال ہے کہ عمر کے اُس مرحلے میں جب بچوں کو شعوری طور پر پختہ نہیں سمجھا جاتا، اُس عمر میں آپ نے اپنی خاندانی اور علاقائی رسوم ورواج سے بغاوت کر کے ایک ایسی دعوت پر لبیک کہا جس کو قبول کرنے کے بعد سخت آزمائشوں اور مصائب سے گزرنا بالکل یقینی تھا۔اس کم سنی اور بچپن میں ایمان قبول کرنے کی بنیاد پر حضرت سیدنا علیؓ کی یہ خصوصیت بھی ناقابل انکار ہے کہ کفر و شرک میں اُن کی زندگی کا کوئی لمحہ نہیں گزرا، کیونکہ جب وہ بالغ ہوئے تو اُن کا دل نورِ ایمان سے جگمگا رہا تھا۔ بلکہ بعض کتابوں میں تو یہاں تک منقول ہے کہ حضرت سیدنا علیؓ ایمان قبول کرنے سے پہلے بھی اپنی کم سنی کے باوجود بُت پرستی سے مجتنب اور بیزار تھے۔(ترجمہ مفتاح النجاء فی مناقب آل العباء صفحہ ٦٤)

سیدنا علی المرتضیٰؓ کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ آپ کی مکمل پرورش اور نشونما آغوش نبوت میں ہوئی۔حضور

اکرم ﷺ نے اپنے بڑے ہی مشفق اور ہمدرد چچا جناب ابو طالب سے اُن کے فرزند علیؓ کو اُن کے بچپن میں ہی گود لے لیا تھا، اور اس طرح سیدنا علیؓ رشتے میں بھائی ہونے کے ساتھ ایک بیٹے کی طرح رسول اللہ ﷺ کی نگرانی و تربیت میں پروان چڑھے۔

آپ اندازہ لگائیں کہ جب ایمان کی حالت میں محض ایک لمحے کے لیے چہرہ نبوت کے دیدار سے شرف صحابیت نصیب ہو جاتا ہے، تو اُس شخصیت کے عز و شرف کا کیا مقام ہوگا جس نے نبی کریم ﷺ کی گود میں پرورش پائی، اور جس نے اپنی پوری زندگی اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی اعانت و نصرت کا کارنامہ انجام دیا۔

ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ کا دور اہل اسلام کے لیے بڑی آزمائش کا دور تھا۔ صحابہ کرامؓ پر ہر طرف سے مصائب کے پہاڑ ٹوٹے پڑ رہے تھے۔ اہل کفر و شرک کو سب سے زیادہ عداوت (نعوذ باللہ) رسالت مآب ﷺ کی ذات اقدس سے تھی، یہی وجہ تھی کہ اپنی اُس

عداوت میں اندھے ہو کر انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبیلے ''بنو ہاشم'' پر بھی تنگی کے دائرے بڑھانے شروع کر دیے۔ بنو ہاشم میں ابولہب جیسے ملعون و بدبخت نے علی الاعلان دشمنی کی تو وہ اہل کفر و شرک کی طرف سے مسلط کی جانی والی آزمائشوں سے محفوظ رہا، ورنہ بنو ہاشم کے تمام افراد اُن آزمائشوں کی زد میں آئے۔ کنبہ ابی طالب بطور خاص اُن آزمائشوں میں مبتلا رہا، کیونکہ جناب ابو طالب کی پوری سرپرستی و ہمدردی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل تھی۔ حضرت سیدنا علیؓ اپنی کم عمری کے باوجود اُس وقت بنو ہاشم کے ایک چشم و چراغ تھے، اور اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے بطور خاص اہل کفر و شرک کے نشانے پر تھے، وہ بھی ان آزمائشوں سے گزرتے رہے، چنانچہ انھوں نے اِن سب تکالیف کو برداشت کیا مگر حق سے انحراف نہیں کیا، بلکہ کمال ثابت قدمی اور استقامت کا نمونہ پیش کیا۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر ہجرت کا ارادہ فرمایا تو اپنی رفاقت کے لیے اپنے دیرینہ رفیق حضرت

سیدنا ابو بکر صدیق ؓ کا انتخاب فرمایا، اور اپنے پاس رکھی ہوئی امانتوں کو واپس کرنے کے لیے اپنے بھائی حضرت سیدنا علی ؓ کا انتخاب فرمایا اور اُن کو خود اپنے بستر مبارک پر استراحت کا حکم دیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو اپنے لاڈلے اور چہیتے بھائی حضرت سیدنا علی ؓ پر کس قدر اعتماد تھا۔

بعد ہجرت حضرت سیدنا علی ؓ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی نصرت و معاونت کی خاطر ہر قربانی پیش کرتے رہے، اور اسلام کی شان و شوکت میں اضافے کا سبب بنتے رہے۔ معرکہ بدر سے لے کر خیبر تک آپ غزوات کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں، جس شمشیر نے باطل کی صفوں کو الٹ کر رکھ دیا، اور اہل باطل جس کے نام سے لرزہ بر اندام رہے، وہ شمشیر ''ذو الفقار'' تھی جو ''حیدر کرار'' جناب علی بن ابی طالب ؓ کے ہاتھوں میں ہوا کرتی تھی۔ معرکہ بدر میں بڑے بڑے طاغوتوں کو اُن کے انجام تک پہنچانے کا کارنامہ حضرت سیدنا علی ؓ نے

ہی انجام دیا تھا۔ غزوہ خیبر میں نامی گرامی پہلوان ''مرحب'' کو دھول چٹا کر اس قلعے کی فتح یابی بھی علی المرتضیٰؓ ہی کے ہاتھوں نصیب ہوئی۔

حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں حضرت علیؓ کی طرف سے دینِ اسلام کے فروغ اور اس کی عظمت میں اضافے کی خاطر کی جانے والی یہ وہ کوششیں ہیں جن کی طرف بہت ہی اجمال کے ساتھ بس اشارہ ہی کیا گیا ہے۔ ورنہ تاریخ اسلام کے اس مشکل ترین دور میں حیدر کرارؓ کی جو بے مثال قربانیاں ہیں، اور نازک موقعوں پر خود رسول اللہ ﷺ کی جانب سے علیؓ کو آگے بڑھانے کی جو متعدد مثالیں ہیں، اُن کے لیے ایک ضخیم کتاب بھی ناکافی ہے۔

حضرت سیدنا علیؓ کی حیات مبارکہ کا ایک دوسرا پہلو وہ ہے جس میں حضور اکرم ﷺ کی اُن سے والہانہ محبت اور اپنائیت کا اظہار ہوتا ہے، اور حضور اکرم ﷺ نام لے لے کر علیؓ کے مقام و مرتبے کو واضح فرماتے ہیں

تا کہ کوئی ابہام اور شک وشبہ باقی نہ رہ جائے۔ یہ پہلوتو اس قدر تابناک اور روشن ہے کہ متعدد جلیل القدر محدثین نے یہ بات لکھی ہے کہ قابل اعتبار روایات میں جس قدر کثرت سے حضرت سیدنا علیؓ کے مناقب وفضائل وارد ہوئے ہیں، کسی بھی صحابیؓ کے بارے میں وارد نہیں ہوئے۔ خصوصا امام نسائیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ سے یہ بات منقول ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ''فتح الباری'' میں اور علامہ ابن عبدالبرؒ نے ''الاستیعاب'' میں متعدد ائمہ اہل سنت کے حوالے سے یہ بات نقل کی ہے۔ ظاہر ہے کہ اُن روایات کا احاطہ کسی ایک مضمون میں محال ہے، واقعہ یہ ہے کہ صرف اُن روایات کے متن کو درج کرنے کے لیے پوری کتاب درکار ہے۔

البتہ بعض وہ روایات جن سے شان علیؓ کا خصوصی طور پر اظہار ہوتا ہے وہ عرض کی جارہی ہیں۔

مثلا غدیر خم کے مقام پر حضور اکرم ﷺ نے مجمع عام کے سامنے حضرت سیدنا علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر

بلند کیا تھا اور فرمایا تھا:

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ وَزَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا نَزَلَ بِغَدِيرِ خُمٍّ، أَخَذَ بِيَدِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فَقَالَ: »أَلَسْتُمْ تَعْلَمُونَ أَنِّي أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ؟« قَالُوا: بَلَى، قَالَ: »أَلَسْتُمْ تَعْلَمُونَ أَنِّي أَوْلَى لِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهِ؟« قَالُوا: بَلَى، قَالَ: »مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ، فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ، اللَّهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ، وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ « فَلَقِيَهُ عُمَرُ بَعْدَ ذَلِكَ، فَقَالَ »لَهُ هَنِيئًا يَا ابْنَ أَبِي طَالِبٍ، أَصْبَحْتَ وَأَمْسَيْتَ مَوْلَى كُلِّ مُؤْمِنٍ، وَمُؤْمِنَةٍ « (معارف الحدیث، رواہ احمد)

اس حدیث کو ''حدیث الموالاۃ'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ چنانچہ اس حدیث پاک سے حضرت سیدنا علیؓ کے مقام و مرتبے کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ

حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر ''خم'' نامی تالاب کے قریب ہزاروں صحابہ کرامؓ کے سامنے رسول اللہ ﷺ نے علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر بلند کیا اور یہ اعلان فرمایا کہ میں جس کا ''مولا'' ہوں، علیؓ بھی اُس کے ''مولا'' ہیں۔ یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا، بلکہ اس سے حضور اکرم ﷺ کے حضرت علیؓ کے ساتھ خصوصی تعلق کا اظہار ہوتا ہے، اور آپ ﷺ کو حضرت علیؓ سے جو اپنائیت اور محبت تھی وہ صاف محسوس ہوتی ہے۔ یہ روایت سیدنا علیؓ کے مقام کو امت کے درمیان اُن کے مرتبے کو بہت اچھی طرح واضح کرتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت سیدنا عمر الفاروقؓ نے اس واقعے کے فورا بعد حضرت سیدنا علیؓ کو مبارک باد دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ آپ کو بہت مبارک ہو، اب آپ تمام مومن مردوں اور عورتوں کے ''ولی'' ہو گئے ہیں۔ (مسند احمد)

اسی طرح اہل سنت کی متعدد کتابوں میں وارد حدیث ثقلین میں ''کتاب اللہ'' کے ساتھ ''اہل بیت''

اور ''عترت رسول'' کا ذکر کیا گیا ہے، اور بحیثیت سرخیل اہل بیت اطہار حضرت سیدنا علیؓ اس کے خاص مصداق ہیں، کیونکہ حدیث ثقلین بھی دراصل اُسی خطبے کا حصہ ہے جو غدیر خم کے مقام پر حضور اکرم ﷺ نے مجمع عام کے سامنے دیا تھا، اور جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ اور اُس خطبے کا پس منظر بھی یہ ہے کہ بعض لوگوں نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حضرت سیدنا علیؓ کی شکایت کی تھی، جس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ایک جامع وبلیغ خطبہ دیا، اور اُس میں امت کو یہ وصیت ونصیحت کی کہ میرے بعد تم پر دو بڑی اور بھاری ذمہ داریاں ہیں: ایک ''کتاب اللہ'' اور دوسرے ''میرے اہل بیت''۔ یہاں تک کہ صحیح مسلم میں وارد حدیث ثقلین میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے تین مرتبہ زور دے کر یہ تاکید فرمائی کہ اے لوگوں! میں اپنے اہل بیت کے سلسلے میں تم کو اللہ سے ڈراتا ہوں۔ (صحیح مسلم)

اور پھر ترمذی شریف میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطور خاص حضرت سیدنا علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر وہ بات فرمائی جو اوپر والی روایت میں مذکور ہے، اور جس کو حدیث الموالاۃ کہا جاتا ہے۔ یہ دو روایتیں سیدنا علیؓ اور اہل بیت اطہار کے سلسلے میں بڑی واضح ہیں۔ مثلاً یہ دونوں مضامین ایک ہی روایت میں اس طرح مذکور ہیں۔

عن زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ رضی الله عنه قَالَ : لَمَّا رَجَعَ رَسُوْلُ االلهِ صلی الله علیه وآله وسلم مِنْ حَجَّةِ الْوِدَاعِ وَ نَزَلَ غَدِيْرَ خُمٍّ، أَمَرَ بِدَوْحَاتٍ، فَقُمْنَ، فَقَالَ : كَأَنِّي قَدْ دُعِيْتُ فَأَجَبْتُ، إِنِّيْ قَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ، أَحَدُهُمَا أَكْبَرُ مِنَ الْآخَرِ : كِتَابُ االلهِ تَعَالٰى، وَعِتْرَتِيْ، فَانْظُرُوْا كَيْفَ تُخْلِفُوْنِيْ فِيْهِمَا، فَإِنَّهُمَا لَنْ يَتَفَرَّقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ. ثُمَّ قَالَ : إِنَّ االلهَ عزوجل مَوْلَايَ وَ أَنَا مَوْلَى كُلِّ مُؤْمِنٍ. ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِ عَلِيٍّ فَقَالَ : من كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهَذَا وَلِيُّهُ، اللّٰهُمَّ! وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَ عَادِ مَنْ عَادَاهُ. رَوَاهُ الْحَاكِمُ. وَ قَالَ هَذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ عَلٰى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ.

''حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے اور غدیر خم پر قیام فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سائبان لگانے کا حکم دیا، وہ لگا دیئے گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے لگتا ہے کہ عنقریب مجھے (وصال کا) بلاوا آنے کو ہے، جسے میں قبول کرلوں گا۔ تحقیق میں تمہارے درمیان دو اہم چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں، جو ایک دوسرے سے بڑھ کر اہمیت کی حامل ہیں: ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری عترت۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ میرے بعد تم ان دونوں کے ساتھ کیا سلوک روا رکھتے ہو اور یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گی، یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر میرے سامنے آئیں گی۔'' پھر فرمایا: ''بے شک اللہ میرا مولا ہے اور میں ہر مومن کا مولا ہوں۔'' پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ''جس کا میں مولا ہوں، اُس کا یہ ولی

ہے، اے اللہ! جو اِسے (علی کو) دوست رکھے اُسے تو دوست رکھ اور جو اِس سے عداوت رکھے اُس سے تو بھی عداوت رکھ۔'' اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرائط پر صحیح ہے۔'' الحديث رقم 45 : أخرجه الحاكم في المستدرک، 3/109، الحديث رقم: 4576، والنسائي في السنن الكبرى، 5/45، 130، الحديث رقم: 8148، 8464، والطبراني في المعجم الكبير، 5/166، الحديث رقم: 4969.

اسی طرح صحیح روایات کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی محبت کو ایمان کا معیار، اور اُن سے بغض کو نفاق کی علامت قرار دیا۔ (صحیح مسلم)

علمائے اہل سنت والجماعت کو بھی اپنی دینی مجالس ومواعظ میں ''حدیث موالاۃ'' اور ''حدیث ثقلین'' کا اُسی اہتمام سے ذکر کرنا چاہیے جس طرح اہتمام سے محدثین عظام نے اپنی کتابوں میں ان روایات کو نقل کیا ہے۔

اسی طرح بخاری شریف کی روایت کے مطابق حضور اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ سے یہ فرمایا کہ تم میرے لیے اُسی طرح ہو جس طرح حضرت سیدنا موسیٰ ؑ کے لیے (اُن کے بھائی اور وزیر) حضرت سیدنا ہارونؑ تھے، بس فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ اس روایت سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ، حضور اکرم ﷺ کو کس قدر عزیز اور محبوب تھے، اور آپ ﷺ اُن پر کس قدر اعتماد فرماتے تھے۔

حضور اکرم ﷺ کی صحبت بابرکت میں ہمیشہ عقیدت و احترام اور خالص استفادے کی نیت سے رہنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا علیؓ کے سینے کو علوم نبوت کے ظاہری و باطنی فیضان سے ایسا بھر دیا تھا کہ آپؓ کا شمار صحابہ کرام کی اُس جماعت کے سرخیل و سردار کے طور پر ہوتا ہے جس نے رسول اللہ ﷺ سے علمی و روحانی دونوں اعتبار سے سب سے زیادہ استفادہ کیا۔ حضرت سیدنا علیؓ خود فرماتے تھے کہ

مجھے قرآن مجید کی ہر آیت کے بارے میں ساری تفصیلات معلوم ہیں کہ اس آیت کا شان نزول کیا ہے اور اس میں کون سے احکامات بیان کیے گئے ہیں۔ عدالتی معاملات کو شرعی اصولوں کے مطابق حل کرنے میں تو کوئی اُن کا ثانی نہیں تھا، اور اُس کی وجہ یہ تھی کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت سیدنا علیؓ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو حضرت سیدنا علیؓ کو تھوڑا تردد ہوا، اُس وقت رسول اللہ ﷺ نے اُن کو بڑی دعائیں دے کر رخصت کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قلب کی رہنمائی کرے گا اور تمہاری زبان کو ثابت رکھے گا (یعنی تم سے حق بات ہی کہلوائے گا)، ان دعاؤں کی برکت تھی کہ حضرت سیدنا علیؓ فرماتے ہیں کہ پھر مجھے کسی قضیہ کا فیصلہ کرنے میں کبھی کوئی تردد نہیں ہوا۔ (ترمذی)

انہی وجوہات کی بنا پر حضرت سیدنا علیؓ کو اس امت کا سب سے بڑا ''قاضی'' سمجھا گیا، اور خود حضرات سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عمر فاروقؓ اور سیدنا عثمان

ؓ اپنے ادوار خلافت راشدہ میں حضرت سیدنا علیؓ سے برابر مشورہ کرتے تھے اور اُن کے فیصلوں کو بڑی اہمیت دیا کرتے تھے۔ظاہر ہے کہ ''قضا'' ایک ایسا منصب ہے جس پر وہی شخص فائز ہوسکتا ہے جس کو علوم شرعیہ پر مکمل عبور حاصل ہو، اور وہ پیش آنے والے مسائل میں شریعت کے تمام اصولوں کو منطبق کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے دور میں حضرت سیدنا علیؓ کا علم وتفقہ سب کے نزدیک مسلّم تھا۔

حضرت سیدنا علیؓ کو صرف علوم ظاہری میں ہی نہیں، باطنی علوم اور روحانی کمالات میں بھی ایسا ہی تفوق اور کمال نصیب تھا۔آپ اسی سے اندازہ لگائیں کہ احسان وسلوک کے جو سلاسل اربعہ پورے عالم اسلام میں رائج ہیں، اُن چار سلسلوں میں سے تین سلسلے (چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ) حضرت سیدنا علیؓ پر جا کر منتہی ہوتے ہیں، اور حضرت سیدنا علیؓ کے توسط سے ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتے ہیں۔

اسی طرح بخاری شریف ہی کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیدنا علیؓ سے فرمایا کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔ یہ جملہ کسی سے اپنے خاص تعلق اور محبت کو ظاہر کرنے کا آخری انداز ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ غزوہ خیبر کے موقع پر حضرت سیدنا علیؓ کو جھنڈا عنایت فرماتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات بھی ارشاد فرمائی تھی کہ میں کل ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہے، اور جس سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی محبت کرتے ہیں۔ (بخاری)

اور حدیث میں یہ مضمون بھی وارد ہوا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتے ہیں، تو اُس کی محبت ملائکہ کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں اور پھر روئے زمین پر اُس کی محبت اُتار دیتے ہیں، اور اللہ کے نیک بندے بھی اُس بندے سے محبت کرنے لگتے ہیں۔

ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ

ﷺ نے حضرت سیدنا علیؓ سے فرمایا کہ تم دنیا اور آخرت دونوں جگہ میرے بھائی ہو۔اسی طرح ترمذی ہی کی روایت ہے کہ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ تو میرے پاس اپنے ایسے بندے کو بھیج دے جو تجھے تیری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہو، اور وہ آکر میرے ساتھ کھانے میں شریک ہوجائے، ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ حضرت سیدنا علیؓ تشریف لائے اور حضور اکرم ﷺ کے ساتھ کھانے میں شریک ہو گئے۔بعض روایات کے مطابق حضور اکرم ﷺ نے حضرت سیدنا علیؓ کو ''علم'' و ''حکمت'' کا دروازہ قرار دیا۔(ترمذی)

جامع ترمذی کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے حضرت سیدنا علیؓ کے بارے میں فرمایا کہ اللہ کی رحمت ہو علیؓ پر! اے اللہ! تو حق اور سچائی کو علی کے ساتھ دائر اور سائر کردے، وہ حق کے ساتھ رہے اور حق اُس کے ساتھ رہے۔

آپ ﷺ کی حضرت علیؓ سے محبت کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ سیدنا علیؓ کسی جنگ میں گئے ہوئے تھے تو آپ ﷺ اُن کے بارے میں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کر رہے تھے ''اللھم لا تمتنی حتی ترینی علیا'' ۔ ترجمہ: اے اللہ! مجھے اس وقت تک دنیا سے نہ اٹھایئے گا، تا آنکہ تو مجھے علی کو دکھا دے۔ (ترمذی) اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اُس شخص کو انتہائی بد بخت قرار دیا جو حضرت سیدنا علیؓ کو شہید کرے گا۔ (طبرانی)

یہ محض چند روایات ہیں جن سے حضور اکرم ﷺ کے حضرت سیدنا علیؓ کے ساتھ بہت ہی خاص تعلق، شدید محبت اور مکمل اعتماد کا اظہار ہوتا ہے۔ چنانچہ یہی وہ خصوصی تعلق تھا جس کی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ نے یہ طے فرمایا کہ مجھے اپنی لختِ جگر اور سب سے زیادہ محبوب بیٹی حضرت سیدہ فاطمہ زہراؓ کا نکاح اپنے محبوب و لاڈلے چچازاد بھائی (مگر اولاد کی طرح نبی ﷺ کی گود میں پرورش اور تربیت پانے والے) علی بن ابی

طالبؓ سے کرنا ہے۔ چنانچہ سنہ ۲ ہجری میں یہ پاکیزہ ترین نکاح منعقد ہوا۔عروس ونوشہ دونوں کے سرپرست خود سرور دو عالم ﷺ ہی تھے۔ آپ نے اپنی ایک لخت جگر فاطمہؓ کا ہاتھ دوسرے لخت جگر علیؓ کے ہاتھ میں دے دیا۔ نکاح کے بعد آپ ﷺ مسلسل ان دونوں کی خبر گیری فرماتے اور اِن کے گھر پر تشریف لے جاتے تھے۔ یہ وہ خوبصورت جوڑا تھا کہ جس کو دیکھ کر نبی کریم ﷺ کو بڑی مسرت ہوتی تھی ،اور آپ ﷺ ہمیشہ اپنی خاص محبت اور شفقت سے ان دونوں کو نوازتے تھے۔ ویسے تو اسلام کے لیے دی جانے والی قربانیوں کی برکت سے علیؓ و فاطمہؓ کا خود جو مقام ومرتبہ تھا وہ کیا کم تھا، پھر اُس پر نبی کریم ﷺ کی مسلسل خصوصی توجہات وعنایات نے ان دونوں کو دینی وروحانی اعتبار سے بڑی بلندیوں اور کمالات تک پہنچا دیا تھا۔

چنانچہ اس مبارک گھرانے میں عظیم والدین کی عظمت کا نشاں بن کر ایسے عظیم بچے دنیا میں آئے

جو بس اپنی مثال آپ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے علیؓ و فاطمہؓ کو حسنؓ و حسینؓ کی شکل میں دو ایسے بیٹے عنایت فرمائے جن میں سے ہر ایک کو لسان نبوت نے جنتی نوجوانوں کا سردار قرار دیا۔

سبحان اللہ! علیؓ کا گھرانہ بھی کیا خوب گھرانہ تھا۔ بچوں کا بابا علیؓ جنتی ہے یہ گواہی خود رسول اللہ ﷺ نے دی، بلکہ وہ تمام مومنین کے ''ولی'' ہیں ،اس کا اعلان فرمایا۔ بچوں کی ماں فاطمہؓ جنتی خواتین کی سردار ہے، اور دونوں بچے جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔ کسی ایک ہی کنبے کے تمام افراد کے بارے میں زبان رسالت سے نامزد ایسے صریح و صحیح مناقب وفضائل کہیں اور نظر نہیں آتے۔ سیدنا علیؓ کا گھر کیا تھا وہ تو اس زمین پر ''ساداتِ جنت'' (جنت کے سرداروں) کا ایک مسکن تھا۔ چنانچہ علیؓ و فاطمہؓ کے بعد پھر حسنین کریمینؓ پر بھی نبی کریم ﷺ کی جو شفقتیں وعنایتیں تھیں، اُن کے تذکروں سے کتابیں

بھری پڑی ہیں۔ بلا شبہ آپ ﷺ کو اپنی تمام اولاد، احفاد و اسباط سے بڑی محبت تھی، اور یہ سب نبی کریم ﷺ کی عالی نسبت سے ہم سیہ کاروں کے لیے بڑے قابل تعظیم اور محترم ہیں، لیکن علیؓ و فاطمہؓ اور حسنین کریمینؓ کو یہ خصوصی مقامات خود نبی کریم ﷺ نے عطا فرمائے ہیں، اس حقیقت کا کوئی بھی صاحب علم انکار نہیں کرسکتا۔

اس گھرانے پر نبی کریم ﷺ کی خصوصی توجہات کی برکت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آل علیؓ و آل فاطمہؓ میں آگے چل کر ایسے ایسے اہل علم وفضل پیدا کیے جو سب اپنے دور کے عباقرہ اور نوابغہ عصر شخصیات میں سے تھے۔ چنانچہ حضرت سیدنا علی زین العابدینؒ، حضرت سیدنا جعفر الصادقؒ، حضرت زید الشہیدؒ، حضرت سیدنا محمد الباقرؒ، حضرت عبد اللہ المحضؒ، حضرت محمد النفس الزکیۃؒ، حضرت موسیٰ کاظمؒ، حضرت علی رضاؒ، حضرت محمد تقیؒ، حضرت ہادی علی نقیؒ، حضرت حسن

عسکریؒ ان شخصیات میں بڑے نمایاں ہیں۔ یہ وہ نام ہیں جو سب اولاد علیؓ میں سے ہیں، اور دینی اعتبار سے اس امت کے لیے بلاشبہ ''رہنما'' اور ''مقتدا'' کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اکابر اہل سنت والجماعت نے اِن میں سے ہر ایک کے بارے میں بڑے بلند کلمات کہے ہیں، جن کی تفصیلات کتابوں میں موجود ہیں۔

حضرت سیدنا علیؓ کا کنبہ اہل بیت اطہار میں ایک امتیازی شان ومنفرد حیثیت کا حامل ہے۔ تفسیر ابن کثیرؒ میں صحیح سند کے ساتھ منقول ہے کہ جس وقت آیت تطہیر نازل ہوئی تو اُس کے بعد حضور اکرم ﷺ تقریباً چھ مہینے تک روز فجر کی نماز کے لیے جاتے ہوئے حضرت فاطمہ زہراؓ کے گھر کے دروازے پر یہ آواز دیتے تھے ''الصلاۃُ یا اھل البیت''(مسند احمد)۔ اسی طرح وہ حدیث جو ''حدیث کساء'' کے نام سے مختلف کتب حدیث میں درج ہے اُس میں یہ واقعہ صحیح سند کے ساتھ موجود ہے

کہ ایک موقعے پر رحمت دو عالم سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے ایک بڑی سی چادر لی، اور اُس میں اپنے ساتھ علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ اور حسینؓ کو لیا، اور پھر یوں فرمایا کہ اے اللہ! یہ ہیں میرے اہل بیت! تو ان کو پاک صاف کر دے اور ہر قسم کی گندگی کو ان سے دور کر دے۔ (ترمذی) اسی وجہ سے ان حضرات کو ''اہل عباء'' یا ''اہل کساء'' بھی کہا جاتا ہے۔

مزید اہل سنت کے تمام مفسرین نقل کرتے ہیں کہ جب آیت مباہلہ نازل ہوئی تو اُس وقت آپ ﷺ علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ اور حسینؓ کو اپنے ساتھ لے کر نکلے۔ اور یہ آپ ﷺ کا ہی انتخاب تھا کہ آپ نے اُس اہم اور نازک موقع پر کنبہ علیؓ کو بطور خاص اپنے ساتھ لیا۔

آل علیؓ کے لیے یہ مقام بھی باعث فضیلت ہے کہ آخری دور میں جب ہر طرف ظلمت اور گمراہی کا راج ہوگا، اُس وقت دنیائے انسانیت کو عدل وانصاف کا راستہ دکھانے کے لیے بلکہ پوری دنیا میں

عدل و انصاف کا نظام قائم کرنے کے لیے اللہ تعالی جس ''مہدی'' کا انتخاب فرمائیں گے، وہ بھی حدیث پاک کی صراحت کے مطابق حضور اکرم ﷺ کے اہل بیت اور عترت میں سے ہوں گے، اور سیدنا حسن بن علیؓ کی نسل میں ہوں گے۔ (مشکوۃ)

مختصر یہ کہ حضرت سیدنا علیؓ کی یہ خاصیت ہے کہ ان کی پرورش خود رسول اللہ ﷺ کی نگرانی و تربیت میں ہوئی ہے، وہ بچپن میں اسلام لے آئے یعنی کفر و شرک میں اُن کا کوئی لمحہ نہیں گزرا، وہ سابقون اولون، کبار اور اجلہ صحابہ کرامؓ میں ہیں، وہ مہاجرین میں بھی ہیں، وہ خلافت راشدہ منصوصہ علی منہاج النبوۃ کے مبارک سلسلے میں چوتھے خلیفہ راشد بھی ہیں، وہ اہل بیت اطہار میں بھی ہیں بلکہ وہ اس جماعت کے سرخیل و سردار ہیں، وہ عشرہ مبشرہ میں بھی ہیں، وہ بدری بھی ہیں، وہ غزوہ احد اور بیعت رضوان میں بھی شریک ہیں، وہ فاتح خیبر بھی ہیں، وہ معیار حق ہیں، وہ ایسے خوش نصیب صحابی ہیں جن سے محبت ایمان کی علامت

اور جن سے بغض نفاق کی علامت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھائی، داماد اور ''وزیر'' بھی ہیں، وہ سیدۃ نساء اھل الجنۃ کے شوہر بھی ہیں، وہ سیدا شباب اھل الجنۃ کے والد بھی ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے بے شمار مناقب وفضائل ہیں جو حدیث کی کتابوں سے ثابت ہیں۔

اپنے انہی کمالات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ملی ہوئی انہی بشارتوں کی وجہ سے حضرت سیدنا علیؓ تمام مشاجرات میں برسرحق تسلیم کیے گئے، اور اس عقیدے پر تمام اہل سنت کا اتفاق ہے۔

حضرت سیدنا علیؓ کا دور خلافت بھی اُن کے لیے بڑی آزمائشوں والا رہا۔ مگر حیدر کرارؓ ہی کا جگر تھا اور اُن ہی کی استقامت تھی کہ داخلی و خارجی تمام الجھنوں اور پریشانیوں کا پورے عزم و استقلال سے سامنا کرتے رہے مگر مجال ہے کہ کبھی زبان کا یا تلوار کا کوئی ناجائز یا غلط استعمال کیا ہو۔ سیدنا علیؓ کی زندگی کے بہت سے پہلو ''مظلومانہ'' تو ہیں مگر اُن کی زندگی

میں ''ظلم'' کا کوئی گزر نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے اصل استاذ و مربی، اپنے خسر اور مثل والد، اپنے محبوب و مطاع خاتم الانبیاء و المرسلین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے اسوہ اور طریقے پر گامزن رہے اور اُسی برحق راستے پر انھوں نے جام شہادت نوش فرمایا۔

لوگوں نے ہر دور میں حضرت سیدنا علیؓ کے مقام و مرتبے میں تنقیص اور کمی پیدا کرنے کی کوشش کی، مگر جس کا مقام و مرتبہ زبان نبوت سے طے ہو چکا ہو، کون ہے جو اُس کے بعد اپنی رائے مسلط کرنے کی جرات کرے گا؟ ایک طبقے نے حضرات سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عمر فاروقؓ، سیدنا عثمان بن عفانؓ، سیدہ عائشہ صدیقہؓ، سیدہ حفصہؓ و دیگر صحابہ کرامؓ پر اپنی بدزبانی اور تبرے بازی کر کے اُس دشمنی کا ثبوت دے دیا جو اُن کے دلوں میں موجود ہے، اور لوگ اُس طبقے سے واقف بھی ہو گئے۔ مگر دوسری جانب اہل عباء یا اہل کساء کی شان میں تنقیص پیدا کرنا، اور ان کے مناقب میں وارد روایات

میں ہر وقت کمزوری نکالنے کی کوشش کرنا اس کو عمومی طور پر ''ردشیعیت'' کا خوش نما عنوان دیا گیا، جس کے نتیجے میں حضرات اہل بیت اطہارؓ کی ''تنقیص'' کو ''تحقیق'' سمجھا جانے لگا، اور لوگوں کو اس بے اعتدالی سے واقفیت بھی نہیں ہو پائی۔ آج ''رافضیت'' تو ہر شخص جانتا ہے لیکن ''ناصبیت'' سے واقف نہیں ہوتا۔ صورت حال ایسی بدتر ہوگئی کہ ہر وہ شخص جو اہل بیت اطہارؓ کی شان میں رطب اللسان رہتا ہے یا وہ سانحہ کربلا کے قاتلوں، مجرموں اور اُس دور کے ظالم حکمراں کو بے نقاب کرتا ہے وہ ''شیعیت'' سے متاثر کہلانے لگتا ہے۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ اس موقف کے خلاف چاہے کتنے ہی بڑے اکابر اہل سنت کی آرا سامنے کیوں نہ آجائیں، وہ ناقابل اعتبار ہوجاتی ہیں، اور محض شذوذ وتفرادت پر تحقیقات کی ساری بنیادیں قائم کی جاتی ہیں۔ ''ردشیعیت'' میں اس قسم ''غلو'' کا دوسری جانب کی ''بے اعتدالی'' کو جنم دیتا ہے، مگر افسوس اہل علم اس جانب ایسی توجہ نہیں دیتے۔۔۔۔!

مجھے ایسے حالات کا بھی تجربہ ہے کہ حضرت سیدنا علیؓ اور حضرات حسنین کریمینؓ کے اسمائے گرامی کے ساتھ ''امام'' اور ''علیہ السلام'' کا سابقہ اور لاحقہ لگانا بھی ''شیعہ'' بنانے کے لیے کافی ہے، حالانکہ ہمارے متعدد اکابر نے بلکہ اہل سنت کے مقتدمین و متاخرین علماء نے بکثرت یہ لاحقے اور سابقے (صحیح عقیدے) کے ساتھ لکھے ہیں، اور اُس وقت بھی شیعہ موجود تھے۔

اہل سنت والجماعت کے ایک محقق عالم علامہ عبد اللہ دانش نے تو اسی موضوع پر ایک مکمل رسالہ تالیف فرمایا ہے جس میں صرف بخاری شریف کی تقریبا ۴۰ روایات پیش کی گئیں ہیں جن میں اہل بیتؑ کے ساتھ ''علیہ السلام'' لکھا گیا ہے، اور بطور ثبوت اُن روایات کے عکس بھی رسالے میں شائع کیے ہیں تا کہ انکار کی گنجائش ہی نہ رہے۔ (مثلا دیکھیے صحیح بخاری میں حدیث نمبر : ۵۲۰، ۲۰۸۹، ۳۰۹۱، ۳۱۱۰، ۳۷۱۱، ۴۰۰۳، ۵۲۴۸)

اسی طرح عربی میں بعض اور ایسے رسائل

میرے پاس ہیں جن میں اہل سنت کے جلیل القدر ائمہ ومحدثین مثلا امام بخاریؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام عبد اللہ بن المبارکؒ، امام علی بن الجعدؒ، امام ابوداؤدؒ، امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ، امام نسائیؒ، امام ابن عساکرؒ، امام حاکمؒ، امام دارقطنیؒ، امام بیہقیؒ، حافظ ابونعیمؒ اور علامہ ابن رجب حنبلیؒ سمیت متعدد اکابر اہل سنت کی کتابوں سے حدیث نمبر کے ساتھ سیکڑوں حوالے نقل کیے گئے ہیں کہ انھوں نے اہل کساء کے ساتھ ''علیہ السلام'' لکھا ہے۔ اور انہی اکابر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے برصغیر کے ہمارے متعدد اکابر نے ''علیہ السلام'' ہی لکھا ہے۔ راقم سطور نے دارالعلوم دیوبند کے عظیم فرزند اور محقق حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کی کتابوں میں حضرات اہل بیت کے لیے ''علیہ السلام'' کا استعمال خود پڑھا ہے۔

میں اس لاحقے اور سابقے کا داعی نہیں ہوں، اور نہ عمومی طور پر ان کو استعمال کرتا ہوں، لیکن نہ تو ان کا استعمال

ناجائز سمجھتا ہوں اور نہ روافض سے تشبہ کے زمرے میں ڈالتا ہوں۔اسی طرح اگر کوئی یہ لاحقہ وسابقہ استعمال کرے تو اس کے نظریات میں کرید کرید کر ''شیعیت'' کے جراثیم تلاشنے کو بھی ''غلو'' سمجھتا ہوں۔

حیرت کی بات ہے کہ ایسے مسائل جن میں خود اکابر اہل سنت کے یہاں کوئی سختی نہیں رہی، اُن مسائل میں ہم ایسے متشدد ہو گئے کہ بس خدا کی پناہ ! اور وہ نظریات جو اکابر اہل سنت کے یہاں تقریبا متفق علیہ رہے ہیں، وہاں ہم ذاتی ذوق ورجحان بلکہ شذوذ تفردات پر ہی تکیہ کیے رہتے ہیں، اور درست رائے کو قبول کرنے میں عار محسوس کرتے ہیں۔

یہ امر واقعہ ہے کہ جس طرح رافضیوں نے صحابہ کرامؓ کی شان میں تنقیص کر کے اُن کی دینی حیثیت کو مجروح کرنے کی لائق مذمت کوشش کی ہے، اُسی طرح ناصبی فکر سے متاثر لوگوں نے حضرات اہل بیت اطہارؓ کی شان میں تنقیص کا دروازہ کھول کر اُن کی عظمت و تقدس

کے سامنے اپنی جسارت پیش کرنے کی جرات کی ہے، اور یہ دونوں ہی اعتدال سے محروم ہیں۔ مگر زیادہ افسوس کا مقام یہ ہے کہ رافضیت کی بیماری عوام میں زیادہ ہے، اور اس کے اثرات بڑے واضح ہوتے ہیں۔ لیکن ناصبیت اصل میں خواص کے اندر داخل ہوئی ہے اور اس کو پہچاننا بھی ذرا مشکل ہے، کیونکہ ''تبرا'' اور ''تنقیص'' میں فرق کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔

صورت حال یہ ہے کہ آپ چند ہفتے صرف علیؓ اور آل علیؓ پر بیان کر کے دیکھیں، خواص پوچھنے لگیں گے کہ کیا شیعوں سے متاثر ہو گئے ہو؟ آپ شہدائے اسلام کے جلسوں میں بہت سے مظلوم صحابہ کرامؓ کے اسمائے گرامی اور اُن کی قربانیاں سنیں گے، لیکن شاید ہی ایسا ہو کہ آپ حضرت عمار بن یاسرؓ، حضرت حجر بن عدیؓ، حضرت محمد بن ابی بکرؓ اور حضرت سلیمان بن صردؓ کا ذکر سنیں؟ وجہ آپ کو بھی نہیں معلوم؟ وجہ یہ ہے کہ یہ سب وہ صحابہ کرامؓ ہیں جو حضرت سیدنا علیؓ کے خاص معاونین ومخلصین میں سے تھے،

اور ہر موقع پر لشکر حیدرؓ کا حصہ بنے رہے۔

اسی طرح شہر ''کوفہ'' ہمارے حلقے میں اس قدر بدنام ہے کہ وہ ''نفاق'' اور ''بدعہدی'' کا استعارہ بن گیا ہے، اور ہمارے خواص بھی ''غیر شعوری'' طور پر اس سے متاثر ہو گئے۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ حضرت سیدنا علیؓ اور اُن کی آل و اولاد کے ساتھ بہت سے لوگوں نے بدعہدی کی، اور نفاق کا راستہ اختیار کیا۔ ایسے منافقین صرف ''کوفہ'' میں ہی نہیں تھے بلکہ اس قسم کے بدقماش لوگ تو ہر بستی میں پائے جاتے ہیں۔ لیکن کیا اس وجہ سے کسی شہر کو ''نفاق'' کا استعارہ بنانا درست ہے؟

کیا مدینہ منورہ اور اُس کے اطراف میں رہائش پذیر منافقین نے مختلف موقعوں پر حضور اکرم ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابہ کرامؓ کے ساتھ بدعہدی اور دھوکے بازی نہیں کی؟ کیا سورہ بقرہ، سورہ توبہ سے لے کر سورہ منافقون تک جن منافقوں کا ذکر ہے کیا وہ سب مدینہ منورہ اور اُس کے اطراف میں ہی نہیں رہتے تھے؟ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بدعہدی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دھوکہ دینے سے بڑا ''نفاق'' اور کیا ہوگا؟ اس سے آگے بڑھ کر یہ سوچئے کہ قرآن مجید میں یہاں تک بتایا گیا ہے کہ بنواسرائیل نے اپنی طرف بھیجے گئے انبیائے کرامؑ کو قتل کیا۔ اور انبیائے بنی اسرائیل خطہ مبارکہ ''شام'' میں تشریف لائے؟ اب بتایئے! انبیائے کرام کو قتل کرنے سے بڑا ظلم اور جرم کیا ہوسکتا ہے؟ تو کیا ان بنیادوں پر کسی نے بھی مدینہ منورہ یا سرزمین شام کو (نعوذ باللہ) ان جرائم کا استعارہ بنانے کی کوشش کی؟ حاشا وکلا! کوئی ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔ شام کی سرزمین مبارک سرزمین ہے اور انبیائے کرامؑ کا مسکن ہے، اور مدینہ طیبہ تو پھر روئے زمین پر ''جنت نشاں'' ہے کیونکہ اس کی نسبت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس سے وابستہ ہے۔

اب ذرا کوفہ کی تاریخ بھی تازہ کر لیجیے۔ یہ وہ شہر ہے جسے خلیفہ راشد حضرت سیدنا عمر فاروقؓ نے آباد کیا، جس شہر میں مشہور فقیہ اور جلیل القدر صحابی حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ نے قیام فرمایا اور اپنے علمی چشمے سے اہل کوفہ

کوسیراب کیا۔ یہ وہ شہر ہے جسے خلیفہ راشد حضرت سیدنا علی المرتضیٰؓ نے اپنا دار الخلافہ منتخب کیا، اور اس شہر پر اور شہر والوں پر خصوصی اعتماد کیا۔ یہ وہ شہر ہے جہاں خاندان علیؓ برسوں مقیم رہا۔ یہ وہ شہر ہے جس کی طرف حضرت سیدنا حسینؓ نے نکلنے کا ارادہ کیا۔ یہ وہ شہر ہے جہاں (ایک قول کے مطابق) حضرت سیدنا علیؓ مدفون ہیں۔ یہ وہ شہر ہے جہاں سے سیدنا علیؓ اور سیدنا ابن مسعودؓ کا علمی فیض پوری دنیا میں پہنچا، اور امام ابو حنیفہؒ سمیت متعدد جلیل القدر تابعین، ائمہ و محدثین کا یہی وطن و مرکز تھا۔ اس سب کے باوجود چند واقعات کی بنیاد پر قدیم زمانے سے تمام اہل کوفہ کو مطعون کر دیا گیا۔ آخر کیوں۔۔۔؟

یہ سب افسانے اُن لوگوں کے ذریعے عام کیے گئے جو دراصل اپنے جرائم کو چھپانا چاہتے تھے۔ یہ افسانے انھوں نے عام کیے جو دراصل یہ چاہتے تھے کہ جب جب ''سانحہ کربلا'' کی شہادتوں کا ذکر آئے تو صرف اہل کوفہ کی ''بدعہدی'' یاد رہے اور اُس دور کے

ارباب اقتدار کی تلواروں سے ٹپکتا ہوا خون سب کی نظروں سے اوجھل رہے۔

لوگوں کو انتہائی ظلم و بربریت کے درمیان اہل کوفہ کا سیدنا حسینؓ کی نصرت و مدد کے لیے نہ نکلنا تو نظر آ گیا، لیکن انھیں وہ مجرمین نظر نہ آئے جن کی تلواریں اہل بیت اطہارؓ کے خون سے رنگین تھیں، اُنہیں کوفہ میں مقیم صحابی رسول حضرت سلیمان بن صردؓ کی بے بسی بھی نظر نہ آئی، اور نہ ہی عبید اللہ ابن زیاد کا جبر و قہر اور اُس کو مسلط کرنے والے حکمراں کی سازشیں نظر آ سکیں۔ انھیں تو صرف یہ نظر آیا کہ کوفہ اہل نفاق کا شہر ہے اور بس! حالانکہ اہل کوفہ میں سے ہی سلیمان بن صردؓ اور اُن کے متبعین نے اپنی اُس نہ نکل پانے کی ''مجبوری'' کی بھی تلافی پیش کرتے ہوئے ''توابین'' کی تحریک شروع کی اور سب کے سب ظالم حکومت کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ جب کہ اہل بیتؑ کے قاتلین دندناتے پھرتے رہے اور اُس وقت کا حکمراں اُن سب کو اپنی عنایات سے نوازتا رہا۔

مجھے اس بات پر سخت حیرت ہے کہ ہر موقف میں حضرت نانوتوی ؒ، حضرت گنگوہی ؒ، حضرت تھانوی ؒ، حضرت مدنی ؒ اور شیخ الحدیث مولانا کاندھلوی ؒ کی تحقیقات پر آنکھ بند کر کے یقین کرنے والے روافض ونواصب کا رد کرتے ہوئے ان اکابر دیوبند کی نہایت معتدل تحقیقات کو پیش نظر کیوں نہیں رکھتے ؟ بلکہ بعض افراد تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے یہ اکابر بھی ''شیعی اثرات'' سے محفوظ نہ رہ سکے اور اس موضوع پر ''تحقیق'' نہیں کر پائے۔ اکابر دیوبند کو شیعی اثرات سے متاثر کہنے میں گستاخی نہیں ہوتی، لیکن اگر کوئی یہ کہہ دے کہ اس موضوع پر آپ کی محبوب فلاں اور فلاں شخصیات نواصب کی تحقیقات سے متاثر تھے، تو یہ جملہ ''گستاخی'' اور ''بے ادبی'' کے زمرے میں آجاتا ہے۔ اہل سنت کے متقدمین و متاخرین اکابر علماء پر ''شیعیت'' یا ''نیم شیعیت'' کا الزام لگانا آسان ہے، مگر جمہور اہل سنت سے الگ موقف ونظریہ اختیار کر لینا ''تحقیق'' ہے۔ فیاللعجب !!

الحمدللہ اس سلسلے میں ان اکابر نے جو کچھ لکھا ہے، اور اُس کے بعد حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی مہدی حسن شاہ جہاں پوریؒ، حضرت مولانا عبدالرشید نعمانیؒ، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اور ماضی قریب میں مولانا محمد اسماعیل ریحان مدظلہ نے اپنے اکابر کے فکر و نظریے کی جو تشریح فرمائی ہے، دراصل وہی جمہور اہل سنت کے معتدل موقف کی ترجمانی ہے، اور اُسی میں روافض اور نواصب کے نظریات سے حفاظت ہے۔